© rasailojaraid.com

معیارِ انسانیت

ڈاکٹر محمد حماد لکھوی *

اسلام ایک فطری دین ہے۔ لہذا اس نے انسانی فطرت سے قریب ترین قوانین وضوابط عطا کر کے دراصل انسانیت کا تحفظ کیا ہے۔ اسلام نے ایسا ضابطہ زندگی انسانوں کو عطا نہیں کیا جس سے فطری و معاشرتی طور پر افراد میں تصادم کا خطرہ ہو۔ یا پھر انفرادی طور پر فرد کے فطری یا فکری و عملی کشمکش میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ یہی اسلامی ضابطۂ حیات کا طرۂ امتیاز ہے۔ فطرت انسانی کی یہ لازمی خصوصیت ہے کہ انسان اپنے حقوق و آزادی میں کسی دوسرے فرد کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ سیاست، معیشت اور معاشرت کے لحاظ سے افراد معاشرہ کا آپس میں فرق ہونے کے باوجود، ہر فرد حقوق و آزادی کے اعتبار سے اپنے آپ کو دوسرے افراد معاشرہ کے برابر خیال کرتا ہے اور اسی بنا پر تمام معاملات زندگی میں مساوی حقوق و مراعات کا طلبگار ہے۔ اگر ان حقوق و مراعات کی عطا ئیگی و تقسیم کا ذمہ دار کوئی ''انسان'' ہی ہو۔ تو ظاہر سی بات ہے کہ ہر انسان اپنی الگ ترجیحات اور رجحانات رکھتا ہے۔ لہذا تقسیم حقوق کے اس عمل میں امتیاز روا رکھا جانا یقینی بات ہے۔ ایسی امتیازی روش کے ردعمل کے طور پر دو طرح کا تصادم پیدا ہوتا ہے۔ پہلا تصادم مختلف طبقات معاشرہ کے درمیان انتشار، خلفشار، جدوجہد اور کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا تصادم انفرادی طور پر افراد معاشرہ اپنی فکری و عملی روش اور فطری تقاضوں کے درمیان محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہر دو طرح کا تصادم اپنے نتائج کے اعتبار سے انسانیت کی پستی و گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ اور تمام مخلوقات میں ''اشرف و افضل'' قرار دیا جانے والا ''انسان'' ''احسن تقویم'' کے مقام سے گر کر ''اسفل سافلین'' کے ذلت آمیز مقام تک جا پہنچتا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو آزادی اور حقوق تو میسر ہوں، لیکن یہ کسی ''انسان'' کے عطا کردہ نہ ہوں۔ بلکہ کوئی ایسی ہستی تقسیم حقوق کی

---

* لیکچرار ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ، پنجاب لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمہ دار ہو، جس کی نظر میں تمام انسان برابر ہوں، جس کی انسانوں کے اندر نہ کوئی ترجیحات ہوں اور نہ ہی کوئی مفادات انسانوں سے وابستہ ہوں، جس سے مانگتے ہوئے، جس کے سامنے جھکتے ہوئے اور تمام تر عاجزیوں اور نیازمندیوں کا اظہار کرتے ہوئے، انسان نہ کوئی سبکی اور عار محسوس کرے اور نہ ہی اس کے ''شرف'' و ''عظمت'' میں کوئی فرق پڑے۔ ظاہر ہے، ایسی ہستی انسانوں میں سے تو نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ انسانوں کو ''آزادی'' عطا کرنے والا اگر ''انسان'' ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا ''انسان'' ''آزاد'' نہیں بلکہ ''انسان'' کا غلام ہے۔ انسانوں کے علاوہ باقی مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کو ''ملجاو ماویٰ'' تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانی شرف وعظمت اور تکریم وفضیلت خاک میں مل گئی۔ ''اشرف المخلوقات'' اگر مخلوقات میں سے ذلیل وحقیر چیزوں سے امیدیں وابستہ کر لے تو اس سے زیادہ ذلت ورسوائی کی اور کیا بات ہوگی۔ فطرت سلیمہ کے خلاف یہ طرز عمل ایک طرف فطری کشمکش اور نفسیاتی اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے جبکہ دوسری طرف معبودان باطل کی یہ پرستش کسی مقام پر رکتی نہیں۔ اس لیے کہ ذہنی کشمکش، بے اطمینانی اور نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا انسان، سکون واطمینان کی تلاش میں دردر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ چونکہ اس کی یہ ساری کوشش ومحنت غلط سمت میں اور خلاف فطرت منہج پر مبنی ہوتی ہے لہذا وہ کبھی نتائج حاصل نہیں کر پاتا۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ایسے انسانی رویے پر ماتم کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

''وہ انسان، جو شعر وفلسفہ اور سیاست ومعاشرت کے میدان میں بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور بڑی خوش فہمیاں رکھتا ہے، جس نے بارہا قوموں اور ملکوں کو غلام بنایا ہے، جس نے اپنے ہنر سے ٹھوس پتھروں کو مہکتے اور لہلہاتے پھولوں میں بدل دیا ہے اور پہاڑوں کے سینوں سے نہریں نکالی ہیں اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ یہی انسان ایسی حقیر وذلیل چیزوں کو بھی سجدہ کرتا رہا ہے جو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، نہ کسی کو کچھ دے سکتی ہیں نہ اس سے روک سکتی ہیں۔

وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب و المطلوب (۱)

اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اسے اس سے چھڑا بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں سکتے۔ ایسا طالب ومطلوب دونوں بے دست و پا ہیں۔

یہ انسان ایسی اشیاء کے سامنے جھکتا تھا، اوران سے ڈرتا یا ان سے خیر کی امید رکھتا تھا جنہیں اس نے خود بنایا تھا۔ انسان صرف پہاڑوں، نہروں، درختوں، جانوروں، ارواح وشیاطین اور مظاہر فطرت ہی کو سجدہ نہیں کرتا تھا، اس نے حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں تک کو سجدہ کیا۔ اور اپنی پوری زندگی وسوسوں اور اندیشوں، اوہام وتخیلات، اور امیدوں اور آرزوؤں کے درمیان گزاردی۔ جس کے فطری نتیجے میں اس کے اندر بزدلی وکمزوری، فکری انارکی، نفسیاتی اضطراب، بے اطمینانی و بے قراری جیسی بیماریوں نے گھر کرلیا''۔ (۲)

اس کے بعد فطری طور پر حصول آزادی وحقوق اور حاجت روائی کے لیے نظریں ایسی ہستی کی طرف اٹھتی ہیں جو مادی کائنات سے ''وراء الوراء'' ہونے کے ساتھ ساتھ قدرت کاملہ بھی رکھتی ہو، تخلیقی وتدبیری صفات اسی کے لائق شان ہوں، حاکم ومالک اور خالق وصانع بھی وہی ہو۔

ایسی ہستیاں متعدد ہونے کا شبہ بھی پڑسکتا تھا۔ لیکن اگر ایسا تصور بھی کیا جائے تو اس سے کائنات کے اندر پھر اسی ''تصادم'' کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔ جو کائنات کے ساتھ انسانیت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ وبرباد کرکے رکھ دے۔

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (۳)

اگر ان (زمین وآسمان) میں اللہ کے علاوہ کئی الٰہ ہوتے تو کائنات کا نظام تہ وبالا ہوجاتا۔

یعنی کثرت الٰہ کا تصور فساد اور تصادم کا باعث ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو آزادیاں، قوتیں اور اختیار عطا کرنے والی ہستی ایک ہی ہے اور یہی اسلام کا عقیدۂ توحید ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ نے انسان کو توحید کے صاف، آسان اور قابل قبول، حوصلہ بخش، حیات آفریں وجرات آموز عقیدہ کے ذریعہ نئی زندگی بخشی۔ جس کے نتیجے میں وہ ہر خوف وخطر سے آزاد ہوگیا۔ اب اس کو اللہ کے سوا کسی شے سے ڈرنے کی ضرورت نہ تھی، اسے یقین ہوگیا کہ خدائے واحد ہی نقصان پہنچانے والا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفع دینے والا، بخشنے والا اور روکنے والا، اور وہی اکیلا انسانی ضروریات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس عقیدہ، اس نئی معرفت اور انکشاف کے ذریعہ اس کی نگاہوں میں دنیا کی تصویر بدل گئی۔ اور وہ ہر نوع غلامی، مخلوق سے خوف وطمع، اور دل ودماغ کو پریشان کرنے والی چیز سے آزاد ہو گیا، اس نے کثرت میں وحدت کا شعور پیدا کیا، نوع بشری کو اشرف المخلوقات، اللہ کی طرف سے زمین کا حاکم ومنتظم اور خلافت الٰہی کے منصب پر فائز تسلیم کیا، اس نے اپنے حقیقی خالق ومالک ہی کی اطاعت اور اس کے احکام کے نفاذ واجراء کو اپنا فرض سمجھا۔ اور اس طرح اس نے اس ابدی انسانی شرف وعظمت کو پالیا، جس سے نسل انسانی ایک زمانہ سے محروم چلی آ رہی تھی"۔ (۴)

یہی تصور توحید انسان کو حقیقی آزادی کی نعمت عظمیٰ عطا کرتا ہے۔ ایسی آزادی کا تصور دنیا کا کوئی دوسرا انظام فکر دینے سے قاصر ہے۔ اسلام کے اس منفرد تصور آزادی کے بارے میں افضل الرحمٰن تحریر کرتے ہیں:-

"Liberty in Islam has quite a different meaning from that understood by Westerners. It is neither a prerogative nor an absolute right of the individual. It is a negative right which is the consequence of belief in, and obedience to, the Sovereign of the Universe. The moment an individual recognises the Sovereign as the Sole Master and Lord of the Universe and takes the oath of allegiance to Him by formally recognising His Authority (through belief in Him) and then demonstrating his belief by submitting to (and obeying) his Code of Law, he takes on himself the responsibility of fulfilling two kinds of obligations: (a) Obligations to Allah, his Sovereign; and

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(b) obligations to the people, Allah has sent him on the earth for a fixed term and given him freedom of choice and freedom of action to do what he pleases. He is promised Guidance through His Messengers, who show him clearly the Right Way from the wrong ways of life. He is also told that his real and true sucess will come from following the Right Way of goodness, justice and piety 'as shown to him by Allah's Messengers. This will not only win for him sucess in this world but guarantee his success to His Lord in the life to come.

However, it is for the individual to decide of his own free will which way to follow...... Thus, in Islam, man is given freedom of choice to adopt and follow any course of action --- the Right Way of Allah or wrong ways of evil and wickedness. It is a decision for himself alone, of his own freewill, to follow either of the two ways, but he will be held responsible for all his actions, bad or good. He is told that his benefit lies in following the Right Way shown by the Messenger of Allah and is also warned and cautioned of the evil consequences of following the wicked and unjust way of the Devil. However, the choice is his and the resultant consequences are also his

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

responsibility. So the Islamic concept of the right of the individual to freedom of speech, opinion and freedom of action is much wider than the Western concept of freedom in the sense that its meaning extends to both the worlds and is not confined to the temporary life of this world alone."(۵)

یعنی اسلام میں آزادی کا ایک بالکل دوسرا تصور ہے اور اہل مغرب اس سے واقف ہی نہیں ہیں۔ نہ تو یہ شاہی حق ہے اور نہ ہی مطلق ہے۔ یہ ایک معروضی حق ہے جو اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ جس لمحے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا اور فرمانروائے کائنات تسلیم کر لیتا ہے اور ایمان کے ذریعے ظاہری طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیتا ہے، اور عمل کے ذریعے اس کے قانون پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ (الف) اللہ کے حقوق اور (ب) بندوں کے حقوق۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مقررہ مدت کے لیے زمین پر بھیجا ہے اور اسے انتخاب وعمل کی آزادی کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی سے سب کچھ کرنے کی آزادی دی ہے۔ اسے انبیاء کے ذریعے ہدایت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے جو زندگی کے صحیح اور غلط راستے اس پر واضح کرتے ہیں۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس کی حقیقی اور سچی کامیابی انصاف، بھلائی، اور نیکی کے راستے کو اپنانے میں ہے جیسا کہ اللہ کے پیغمبروں نے واضح کر دیا ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف وہ اس دنیا میں کامیابی حاصل کرے گا بلکہ اسے مرنے کے بعد آنے والی زندگی میں کامیابی کی ضمانت بھی مل جائے گی۔ بہرحال یہ انسان کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ کس راستے کو اختیار کرتا ہے۔...... اس طرح اسلام نے اسے کوئی بھی راستہ اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اللہ کا راستہ یا برائی اور بدکاری کا راستہ۔ یہ فیصلہ تو اسے خود کرنا ہے اور اپنی مرضی سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ لیکن وہ اپنے اچھے اور برے اعمال کے لیے ذمہ دار بہرحال خود ہوگا۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے جو راستہ دکھایا ہے، اس کو اختیار کرنے میں فلاح پوشیدہ ہے اور گناہ اور بدی کا راستہ سراسر شیطان کا راستہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان کا راستہ ہے۔ بہر حال انتخاب اس کا ہے اور اس کے نتائج بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ اس لحاظ سے فرد کی انفرادی آزادی، آزادیٔ اظہار اور آزادیٔ عمل کا دائرہ مغربی تصور آزادی سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس لحاظ سے کہ اسلام کا تصور دونوں جہانوں اور دنیاؤں پر محیط ہے اور صرف دنیا کی عارضی زندگی پر موقوف نہیں۔

ایسا دین اور ضابطۂ حیات ہی انسانیت کی تعمیر اور اس کے شرف وعظمت کا نگہبان ہو سکتا ہے۔ جس کا بنیادی موضوع ہی تعمیر انسانیت ہو۔ جو کائنات ارضی میں انسان کو مرکزی حیثیت دینے کے ساتھ اس کو اختیار اور آزادی بھی عطا کرے۔ ''دین یا فلسفہ کا اولین تعلق انسان سے ہے، اس کی روز مرہ زندگی سے ہے، اس کے ذہن وفکر سے ہے، اس کی روحانی کیفیت سے ہے اور ان تعلقات سے ہے جو اس کو ایک معاشرہ کی سلک سے منسلک کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ تصورات، وہ نقشے اور زاویہ ہائے فکر ونظر جن کو ہم دین یا فلسفہ حیات سے تعبیر کرتے ہیں، ایسے ہوں جن سے انسان فائدہ اٹھائے، یعنی جن سے اس کے ذہن کو تغذیہ حاصل ہو، جن سے اس کا باطن چمکے، جن سے ان میں آفاقیت آئے، جن سے ان کی ''انا'' نفس وذات کی بندیوں کو توڑ کر فضائے غیر منتہی کی وسعتوں تک تگ وتاز کر سکے۔ اور جو اپنی فطرت اور ساخت کے اعتبار سے ایسے ہوں کہ ان کی بدولت ایک ہم رنگ، انسان دوست، صالح اور ترقی پذیر معاشرہ معرض وجود میں آسکے''۔ (٦)

ایسا دین اور ضابطہ اسلام کے عقیدۂ توحید کی بدولت ہی میسر آ سکتا ہے۔ کیونکہ حاکم ومحکوم کا یہی ایک تصور ہے جس کے سبب انسان، انسانوں کی غلامی سے نکل کر حقیقی آزادی کے نعمت سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''وہ قومیں جو توحید سے ناآشنا تھیں، انہوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے ہر مظہر کا غلام سمجھتی تھیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم توحید ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکال دیا۔ سورج سے لے کر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز، آقا ہونے کی بجائے انسانوں کا غلام بن کر ان کے سامنے آئی، بادشاہوں کے جلال وجبروت کا طلسم ٹوٹ گیا اور وہ بابل، مصر، ہند وایران کے خدا اور ''ربکم الاعلیٰ'' ہونے کی بجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کے خادم، راعی اور چوکیدار کی صورت میں نظر آئے۔ جن کا عزل ونصب دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ خود انسانوں کے ہاتھ میں تھا۔ تمام انسانی برادری جس کو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اونچے نیچے، بلند و پست، شریف و ذلیل، مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم کر دیا تھا اور جن میں سے کچھ کی پیدائش پرمیشور کے منہ، کچھ اس کے ہاتھ، کچھ اس کے پاؤں سے تسلیم کی جاتی تھی، اس عقیدہ کی وجہ سے ایسی مختلف جنسوں میں بٹ گئی تھی، جن کو کسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس طرح مساوات انسانی کی دولت دنیا سے گم ہو چکی تھی اور زمین قوموں اور ذاتوں کے ظلم و جبر اور غرور و فخر کا دنگل بن گئی تھی، توحید نے آ کر اس اونچائی، نیچائی، بلندی و پستی اور نشیب و فراز کو برابر کیا۔ سب انسان خدا کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔ ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحوں میں ثبت ہیں"۔ (۷)

شرف انسانیت کے محافظ اس عقیدۂ توحید نے تمام طبقہ ہائے انسانیت کو بلا امتیاز مستفید کیا ہے۔ اور انسانیت کو اس کا اصل مقام دلانے اور اس کو عروج تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر اسلام کے عقیدۂ توحید سے اثر قبول نہ کیا ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ عقیدہ توحید انسانیت کا فطری تقاضا ہے۔ اور اپنے فطری تقاضے کی طرف انسان نادانستہ طور پر بھی کشش محسوس کرتا ہے اور اس سے کسی نہ کسی طور اثر قبول کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندو دھرم، جو کہ ایک انتہائی بے سرو پا مذہب ہے، بھی اسلام کے عقیدہ توحید سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایک ہندو مفکر اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتا ہے:-

"یہ ایک مسلم بات ہے کہ ہندو مذہب پر اسلامی عہد میں اسلام کا بڑا گہرا اثر پڑا، ہندوؤں میں اللہ کی عبادت کا تصور اسلام کا نتیجہ ہے، اس عہد میں فلسفہ و مذہب کے قائدین نے اگرچہ اپنے معبودوں کے کئی نام رکھے مگر انہوں نے اللہ کی عبادت کی بھی دعوت دی اور خدا کے ایک ہونے کی صراحت کی۔ جو عبادت کا مستحق ہے اور جس سے نجات وسعادت کی طلب کی جانی چاہیے"۔ (۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے عقیدہ توحید کی طرف دعوت دے کر مساوات انسانی کا درس دیا ہے۔ ایک اللہ کو آقا مان کر تمام انسان برابری کی سطح (Equal Status) پر آجاتے ہیں۔ معاشی فرق، معاشرتی تفاوت اور نسلی امتیاز پھر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اب اگر کسی کو فضیلت یا شرف حاصل ہوگا تو اسی عقیدہ توحید کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے ہوگا۔ عزت و شرف کے باقی تمام معیار دنیوی واخروی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اسلام کی نظر میں تخلیقی اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں۔

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم (۹)

اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (یعنی تم سب برابر ہو) اور تمہارے خاندان اور قبیلے محض تعارف اور پہچان کے لیے بنائے۔ بیشک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ (ایک اللہ کا خوف) رکھتا ہے۔

یعنی تمام انسانوں میں سوائے قربت الٰہ کے اور کوئی وجہ امتیاز باقی نہیں رکھی۔ ایک مشہور برطانوی مفکر ٹائن بی (Toyn Bee) مساوات انسانی کے اسلامی تصور کی آفاقیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں کے درمیان نسلی امیتاز کا خاتمہ اسلام کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اسلام کی یہ سعادت، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے''۔ (۱۰)

مختلف طبقات انسانی کے درمیان مساوات کا احساس اجاگر کرنے کی اسلام کی نظریاتی قوت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مشہور مستشرق گب (Gibb) اسلام کی ضرورت واہمیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''لوگوں کے مراتب، مواقع اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس (اسلام) جیسی کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں اور روایات اور نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے۔ اگر مشرق و مغرب کی عظیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوسائیٹیوں میں مخالفت کی بجائے تعاون پیدا کرنا ہے تو اس کے لیے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا''۔ (۱۱)

گویا اسلام نے عقیدہ توحید کے ذریعے حاکمیت اعلیٰ کے تحت تمام انسانوں کو برابر قرار دے کر انسانیت کو اس کی عظمت وتوقیر واپس دلائی اور اس کا کھویا ہوا وقار واعتبار بحال کیا۔ اسلام انسان کو اس کائنات کا سب سے قیمتی وجود اور گرانقدر جوہر قرار دیتا ہے۔ جس کا مقام یہ ہے کہ وہ زمین میں خالق حقیقی کا نائب ہونے کی حیثیت سے پوری آزادی اور اختیار کے ساتھ تمام مخلوقات ارضی پر حکمرانی کے فرائض سرانجام ہے۔

معیار انسانیت اور معیار زندگی میں فرق

مسئلہ معیشت انسان کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ ہر انسان فطری طور پر خواہاں ہے کہ اس مسئلے پر قابو پالے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انفرادی کاوشوں سے لے کر مختلف نظام ہائے فکر کے وجود پذیر ہونے تک، تمام تاریخ انسانی اسی معاشی جدوجہد سے عبارت ہے۔ لیکن تمام ادیان و فلسفہ ہائے حیات اس مسئلے کے حل میں تقریباً ناکام ہو چکے ہیں۔ کسی نے معاشی مسئلے کے حل کے لیے طبقات معیشت کا فطری تفاوت ختم کرنے کا سوچا اور اشتراکیت کے نام پر انسانوں سے ان کے فطری حقوق معاش بھی چھین لیے۔ کچھ لوگوں نے ''ذاتی ملکیت'' کے فطری تقاضے کو بنیاد بنا کر انسانوں کو مستقل طور پر امیر اور غریب، سرمایہ دار اور مزدور کے دو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری یا کوئی اور نظامِ اصلاح معاش ہو، اگر بالفرض اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے یا کسی فرد کی انفرادی کوشش بارآور ثابت ہو، تو نتیجے کے طور پر زیادہ سے زیادہ انسان معاشی اور مادی میدان میں ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ اس سے انسانی زندگی میں یہ فرق پڑے گا کہ انسان انتخاب واہتمام طعام کے قابل ہو جانے کے ساتھ ساتھ مختلف سہولیات زندگی مہیا کر سکے گا۔ یوں انسان کا معیار زندگی بہتر اور بلند ہو جائے گا۔ چونکہ مسئلہ معاش کا اخلاقیات کے ساتھ بھی کچھ تعلق بنتا ہے۔ لہذا نسبتاً افراد ''اچھے شہری'' ثابت ہوں گے۔ جو کہ ملکی و بین الاقوامی قوانین کی پابندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوں گے اور مختلف اقوام کے معیار کے مطابق ''اچھے'' کی تعریف بھی مختلف ہوگی۔

''اچھے شہری کے بارے میں (ایک) یہ تصور ہے کہ وہ ظلم وزیادتی کا قلع قمع کردینے والا مسلح اور جنگجو سپاہی ہو لیکن جب اس کی اپنی قوم کا مفاد درپیش ہو تو ظلم وناانصافی میں اسے خود بھی کوئی عار نہ ہو۔ کسی قوم کا اچھے شہری کے بارے میں یہ تصور (ہوسکتا) ہے کہ وہ ایسا نیک وصلح جو شخص ہو کہ نہ خود کسی پر ظلم کرے اور نہ کسی کو اپنے اوپر ظلم کی اجازت دے۔ ہوسکتا ہے کسی قوم کی نظر میں اچھا شہری ایک تارک الدنیا، زاہدِ خشک ہو جو دنیا کی اس قابل نفرت کشاکش حیات سے کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ کسی قوم کے نقطۂ نظر سے اچھا شہری وہ ہو جو اپنے وطن کا سچا عاشق ہو، اس میں جذبۂ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو اور وہ اپنی نسل کے امتیاز پر فخر محسوس کرتا ہو، اور اس کے لیے وہ مر مٹنے کو تیار ہو۔ اسلام ان تنگنائیوں میں محصور نہیں ہے۔ اسلام کا نظام تربیت ''اچھا شہری'' تیار نہیں کرتا بلکہ اسلام کے نظام تربیت کا مقصد ''اچھا انسان'' (انسان صالح) تیار کرنا ہے۔ وہ انسان جو مکمل انسان ہو، جس میں انسانیت کے سارے پنہاں جوہر نمایاں ہوگئے ہوں، اور جو جغرافیائی حدود میں محدود ایک وطن کا اچھا شہری نہ ہو بلکہ وہ پوری روئے زمین کا اچھا شہری، بہترین باشندہ اور ''انسان'' ہو''۔ (۱۲)

جدید دانشوروں کا ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے کوئی بھی قوم ترقی اور عروج کی منزل تک پہنچ سکتی ہے اور اس کے افرد معاشرتی و اخلاقی اقدار کے حامل ہو سکتے ہیں۔ ان پانچ چیزوں میں پہلی چار چیزیں (قدرتی وسائل، افرادی قوت، سرمایہ اور ہنرمند افراد یا دانشور) ٹھوس مادی اسباب ہیں۔ جبکہ پانچویں چیز (اقدار) پہلی چار چیزوں کے نتیجے کے طور سامنے آتی ہے۔ پھر ان پانچوں چیزوں کی موجودگی ترقی کی منزل کے مترادف قرار پائے گی۔

اس اصول کے وثوق یا استناد کی بحث سے قطع نظر، عملاً پہلی چار چیزوں کی موجودگی پانچویں چیز کے وجود کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ قدرتی وسائل، افرادی قوت، سرمائے کی زیادتی یا ہنرمند افراد (Skilled Persons) کے باوجود قومیں اخلاقی اقدار سے کوسوں دور رہتی ہیں۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر، جب کوئی قوم اپنے ہنرمند افراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹیکنالوجی میں اس قدر ترقی کر جائے کہ مشینری انسان کو ہر طرح کی سہولت مہیا کرنے کے لیے موجود ہو۔ تب بھی اقدار و تہذیب کا نتیجے کے طور پر پیدا ہونے کا امکان حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ دراصل مادی وسائل اور دنیوی سہولیات کی موجودگی یا ٹیکنالوجی کی ترقی انسانیت اور انسانی اقدار کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتی۔ اہل مغرب نے جوں جوں سائنسی ترقی کی اور تہذیب و اقدار سے بیگانہ ہوئے، انہوں نے تہذیب و اقدار کے تصورات اور اصول ہی بدل کر رکھ دیے۔ تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مادی ترقی اور اقدار باہم متناقض نہیں۔ بلکہ جدید مادی ترقی کو ہی تہذیب قرار دے کر اسے ہی انسانی زندگی کا معیار (Standard) قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ جدید سائنسی ترقی اور معیار انسانیت دو مختلف چیزیں ہیں۔ سائنسی و تکنیکی ترقی معیار زندگی میں ترقی کا باعث تو ہو سکتی ہے معیار انسانیت میں نہیں۔

معروف دانشور عبدالحمید صدیقیؒ اپنی ایک کتاب کے مقدمہ میں ''جدید مادی ترقی'' اور ''انسانیت'' کے تضاد کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:۔

''میں ایجادات کی دنیا میں انسان کی محیر العقول ترقی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس سے انسان کے مادی آرام و آسائش میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ طریقہ پیدائش میں نئی نئی گرہیں کھلنے سے انسان کو فراوانی میسر آئی ہے۔ سمندر کے اندر جانے بجلی کو قابو میں کرنے، ہوا کے تموج اور ذرات کو اپنے نامہ و پیام کا ایلچی بنانے اور خود بخود بجنے والے باجوں اور ہوش ربا سرعت سے چلنے والی سواریوں کے کرشموں نے بلاشبہ انسانی زندگی کو بے حد قوت عطا کی ہے اور ان کی مدد سے اس نے حیرت انگیز کام سرانجام دیے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سارے کام انسانیت کو حقیقی فوز و فلاح سے ہم کنار نہیں کر سکے۔ دور جدید کا انسان بے حد دکھی ہے۔ یہ ''علم'' جس کا مقصد انسانوں کی اجتماعی زندگی اور ان کے باہمی تعلقات میں عدل اور انصاف کی حکمرانی قائم کرنا ہے، انسان کے لیے وبال جان بنتا جا رہا ہے۔ آج انسانیت کے سارے شعبوں میں زبردست بگاڑ پایا جاتا ہے۔ یہاں بھیڑیوں کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصومات کا کام سپرد کر دیا گیا ہے۔ یہاں اخلاق کی پاکیزگی اور دیانت و شرافت سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت نہیں اور بداخلاقی و بددیانتی سے بڑھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی ہنر اور قابلیت نہیں"۔ (۱۳)

معروف مصری دانشور سید حسین نصر جدید سائنسی ترقی اور انسانی روحانیت کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-

"Unfortunately, the Islamic scientific heritage has only too rarely been studied by Muslims themselves, and when such a study has been made it has usually been based again on a sense of inferiority which has impelled the authors to try to prove that Muslims preceded the West in scientific discoveries and therefore are not behind the West in their cultural attainment. Rarely is this precious Muslim scientific heritage seen as an alternative path, a science of the natural order which could and did avoid catastrophic impasse which modern science and its applications through technology have created for men. Muslims with vision should be only too happy that it was not they who brought about the seventeenth century scientiffic revolution whose logical out come we see today. Muslim scholars and thinkers must be traind to revitalize the philosophy of nature contained in the Islamic sciences and to study these sciences themselves. The end thus proposed is very different from the goal of so many modernised Muslims who pride

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

themselves upon Islam having paved the way for the Renaissance. They reason that since the Renaissance was a great event in history and since Islamic culture helped create the Renaissance, therefore Islamic culture must be of value. This is an absurd way of reasoning, which completely ignores the fact that what the modern world suffers from today is precisely the result of steps taken by the West, mostly during the Renaissance when western man rebelled to a large extent against his God given religion. Muslims should be grateful that they did not rebell against Heaven and had no share in that anti-spiritual humanism which has now resulted in an infra-human world. What Islam infact did was to prevent the individualistic rebellion against Heaven, the manifestation of the Promethean and Titanesque spirit which is so clearly shown in much of Renaisssance art and which stands diametrically opposed to the spirt of Islam, which is based on submission to God. It is true that Islamic science and culture were a factor in the rise of the Renaissance in the West but Islamic elements were employed only after they were divorced from their Islamic character and torn away from the total order in which

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

alone they possess their full meaning and significance."(۱۴)

یعنی بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے خود بھی اسلام کی سائنسی میراث کا شاذ ہی مطالعہ کیا ہے اور جب کبھی کیا بھی ہے تو عموماً اس کی بنیاد ایک احساس کمتری پر رکھی گئی جس سے اس موضوع پر لکھنے والے مصنفین یہ ثابت کرنے پر مجبور ہوتے رہے کہ مسلمانوں نے اہل مغرب سے پہلے ہی سائنسی اکتشافات کر لیے تھے۔ لہذا وہ مغرب والوں سے باعتبار تمدن پیچھے نہیں ہیں۔ ایسا کبھی کم ہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اس قیمتی سائنسی ورثہ پر بطور ایک متبادل راہ کے غور کیا جائے۔ اسے عالم طبعی کی ایسی سائنس سمجھا جائے، جو اس خوفناک انجام سے بچ سکتی ہے اور بچ چکی ہے۔ جسے جدید سائنس اور اس کے تکنیکی اطلاقات نے انسانوں کے لیے پیدا کر دیا ہے۔ صاحب بصیرت مسلمانوں کو اس بات پر ناز کرنا چاہیے کہ انہوں نے سترھویں صدی کا وہ سائنسی انقلاب برپا نہیں کیا جس کا منطقی خمیازہ آج ہمارے سامنے ہے۔ مسلمان مفکرین اور اہل علم کو اس بات کی تربیت حاصل کرنا چاہیے کہ اسلامی علوم میں موجود طبعی فلسفہ کو پھر سے تازہ کر سکیں اور ان علوم کا از خود مطالعہ کر سکیں۔ یہ مطمع نظر جدیدیت زدہ مسلمانوں کے عزائم سے بہت مختلف ہے جو اس بات کو اپنے لیے باعث افتخار جانتے ہیں کہ اسلام نے نشاۃ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کی۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ نشاۃ ثانیہ تاریخ کا عظیم الشان واقعہ ہے اور چونکہ اسلامی تمدن وثقافت نے اس کی تشکیل میں مدد کی ہے۔ لہذا اسلامی تمدن بھی کوئی قابل قدر چیز ٹھہرے گا۔ استدلال کا یہ طریقہ لغو طریقہ ہے کہ اس میں یہ بات سرے سے فراموش کر دی جاتی ہے کہ آج جدید دنیا جن مصائب کا شکار ہے، وہ انہی اقدامات کا نتیجہ ہیں جو مغرب نے زیادہ تر نشاۃ ثانیہ ہی کے دور میں کیے تھے، جب مغرب کا انسان بڑی حد تک اپنے خداداد دین سے بغاوت کر رہا تھا۔ مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ انہوں نے خدا سے بغاوت نہیں کی اور اس روحانیت دشمن، انسان پرستی میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا جو آج زیر انسانی دنیا کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اسلام نے تو کیا ہی یہی ہے کہ انفرادیت پرستی پر مبنی بغاوت کی بیخ کنی کر دی، انکار واستکبار کی روح کے اس مظہر کی بھی، جو نشاۃ ثانیہ کے بیشتر آرٹ میں صاف ظاہر ہے اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی روح سے قطبین کا بعد رکھتا ہے کہ اسلام کی بنیاد ہی خدا کے سامنے سپر اندازی پر استوار ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلامی سائنس اور ثقافت مغرب میں آغازِ نشاۃ ثانیہ کے اسباب میں سے ایک تھی مگر اسلامی عناصر اس میں صرف اس وقت استعمال ہوئے جب ان کے اسلامی تشخص سے انہیں جدا کر دیا گیا اور اس کلی نظام سے توڑ لیا گیا جہاں ان کی پوری معنویت اور اہمیت ممکن تھی۔

جدید سائنسی ایجادات کے ذریعے سہولیات زندگی فراہم کر لینا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا معیار انسانیت (Standard of Humanity) کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ ان ذرائع سے ''معیار زندگی'' (Standard of life) تو یقیناً بہتر ہو سکتا ہے۔ لیکن انسانیت کی روحانی تسکین اس سے ممکن نہیں۔ لہٰذا بہت ساز و سامان انسانی سہولیات کا فراہم کر لینے کے باوجود، جوں جوں انسان مادی ترقی میں آگے کی طرف سفر کر رہا ہے توں توں ''انسانیت'' ناپید ہوتی چلی جا رہی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات (۱۵)

اگرچہ تمام مادی سہولیات باری تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے نعمت ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان سے مستفید ہونا، نہ صرف انسان کا حق ہے بلکہ ترک نعمت ناجائز ہے۔ (۱۶) لیکن ان انعامات ربانی کی تمام تر دنیوی اہمیت کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ دنیوی ''معیار زندگی'' بلند کرنے کا ہی سامان ہے۔ ''معیار انسانیت'' کی بلندی میں یہ اشیاء کوئی کردار ادا نہیں کرتیں۔ اسی لیے قرآن پاک میں بڑی بڑی پرکشش دنیوی نعمتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان تمام سے بہتر اور برتر ''چیز'' کا ذکر کیا گیا ہے، جو ''معیار زندگی'' کی بلندی کے نتیجے میں نہیں بلکہ معیار انسانیت کی بلندی کے نتیجے میں حاصل ہو سکتی ہے۔ (۱۷) گویا جدید مادی ترقی، انسانیت کی ترقی نہیں بلکہ دراصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانیت کی تنزلی ہے۔ ظاہر ہے جب انسانی اخلاقی و معاشرتی اقدار ختم ہونے لگیں، بین الانسانی ''احساس مروت'' کچلا جانے لگے، بھائی اپنے بھائی کی پہچان میں تکلف سے کام لینے لگے، انتہائی قابل احترام قریبی رشتہ داریاں کزن (Cousin) کی مشترکہ اور عامیانہ اصطلاح میں بدل کر اپنی اہمیت کھو دیں، جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے باعث انسانی بصیرت کا عمل دخل کم ہونے لگے، دلوں کو زنگ آلود کر دینے والے میڈیائی ماحول سے ''روحانیت'' رخت سفر باندھ لے، انسان اپنے خالق کو بھولنے کے ساتھ ساتھ اپنے انجام سے بھی بے خبر ہو جائے اور انسان طمانیت قلبی کی بجائے اس ''ترقی یافتہ'' ماحول میں شدید قسم کے اعصابی تناؤ اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جائے تو اسے انسانیت کی تنزلی کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہوا اور ہماری نظروں کے سامنے وقوع پذیر ہو بھی رہا ہے۔ اور یہ سب اہل مغرب کی ''شاندار'' نشاۃ ثانیہ اور جدید مادی و سائنسی ترقی کے ذریعے ''معیار زندگی'' کی بلندی کا نتیجہ ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ میڈیا کی ترقی نے پوری دنیا کو قریب کر دیا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی اور کمپیوٹر پر انٹرنیٹ وغیرہ کی جدید سہولتوں کے ذریعے انسان پوری دنیا سے رابطہ رکھ سکتا ہے اور دنیا ایک ''گلوبل ولیج'' (Global village) کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ انسانی قربتوں کا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی غور نہیں کرتا کہ ان تمام ذرائع نے دراصل انسان کو انسان سے دور کیا ہے۔ دوری قربت میں بدلنے کی بجائے قربت دوری میں بدل گئی ہے۔ درست ہے کہ انٹرنیٹ پر ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہوا پوری دنیا سے قریب اور مربوط ہے لیکن اپنے بہن بھائیوں، ماں باپ اور دیگر اہل خانہ کے قریب ہوتے ہوئے بھی ''دور'' ہے۔ اس لیے کہ اس بین الاقوامی رابطے کے دوران وہ کسی کی طرف سے خلل (Disturbance) برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا جن قربتوں کی ''انسانیت'' اصلاً ضرور تمند تھی، وہ قربتیں جدید ٹیکنالوجی نے ترقی اور رابطے کے نام پر چھین لی ہیں۔ ٹی وی کے ''فیملی چینلز'' بظاہر پورے خاندان کو ایک کمرے میں ''قریب'' کر دینے کا سبب ہیں۔ لیکن ایسی ''قربت'' پر ہزار لعنت کہ بچہ اپنے باپ سے اور دیگر اہل خانہ بھی ایک دوسرے سے بات تک کرنے کی اجازت نہیں پاتے کہ وہ ''بین الاقوامیت'' کی طرف متوجہ ہیں۔ اس بین الاقوامی رابطے اور تفریحی سہولت نے ایک ہی چھت کے نیچے موجود مختلف لوگوں کا باہمی رابطہ اور توجہ منقطع کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی۔ جس کے نتیجے میں باہمی پیار، محبت، مودت، رحمت، ہمدردی، ایثار، اور اس قسم کی دیگر روحانی قدریں آہستہ آہستہ عنقا ہوتی چلی گئیں۔ ''انسانیت'' کو یہ سارے چرکے ''معیارزندگی'' میں ترقی کے باعث ہی لگے ہیں۔ جس میں روحانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسے ''ترقی یافتہ'' ماحول میں انسان جسمانی طور پر تو شاید آزاد نظر آتا ہو لیکن روحانی طور پر انتہائی پسماندگی اور غلامی کی زندگی گزار رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جدید دور کا انسان، خاص طور پر اہل مغرب، روحانیت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں کہ کہیں سے ان کی ''انسانیت'' ان کو واپس مل جائے۔ اسی تلاش میں وہ اسلامی تصوف کی طرف مائل ہو رہے رہیں۔ سید حسین نصر اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-

"The need to recover a vision of the centre becomes ever more urgent for Western man as the illusory world he has created around himself in order to forget the less of the transcendent dimension in his life begins to reveal ever more fully its true character. In such a situation, the response cannot, of course, come from any where but sacred tradition in all its authentic forms. But in as much as we are concerned here with Islam, the last of these traditions to manifest itself on the scene of human history, ... it is Sufism, the peak as well as the spiritual essence and esoteric dimension of Islam, which attracts most of those who feal the need to recover the Centre by submitting themselves to the message from the Centre in

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

its Islamic form. The amazing increase of interest in the West in recent years in the study of Sufism, much of which is unfortunately diverted by counterfeit presentations of Sufi teachings, is a result of both the growing spiritual need felt by many men tody and the particular characteristic which Sufism possesses as the esoteric dimension of the Islamic tradition."(۱۸)

اسلام انسان کی ظاہری ترقی اور مادی عروج کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور نہ ہی معاشی وسائنسی میدان میں کارہائے نمایاں (Acheivements) کو انسانی وظیفہ قرار دیتا ہے۔ وہ انسانوں کو عدل وانصاف اور حریت ومساوات کے تصور پر مبنی ایسا آزادانہ ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے جس سے ''معیار زندگی'' سے قطع نظر فقط ''معیار انسانیت'' کی بلندی پیش نظر ہو، جس کے نتیجے میں انسان اخروی وابدی فلاح کی منزل کو پالے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دولت وثروت اور دنیوی سہولتوں کی موجودگی کو انسان کیے لیے پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ اور انسان کو فقر وغربت کی زندگی گزارتے ہوئے بھی انسانیت کے ''اعلیٰ معیار'' پر فائز ہونے کے سبب مکرم ومحترم (۱۹) خیال کیا گیا ہے۔

انسانیت کا اصل معیار اور معراج

آقائے دوجہاں، سرور کائنات ﷺ کی اس دنیا میں آمد کے مقاصد میں ''معیار زندگی'' بلند کرنا نہیں تھا۔ بلکہ آپ ''میعار انسانیت'' ہی کی بلندی کے خاطر مبعوث ہوئے۔ لہٰذا نبی اکرمؐ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں جو طرز زندگی اپنایا وہ معیار زندگی کے تقاضوں کی نفی کرتے ہوئے انسانیت کے اعلیٰ معیار کا ایک کامل نمونہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی معاشی پسماندگی کا عالم یہ تھا کہ عام ضروریات زندگی بھی میسر نہ تھیں۔ اندازہ کیجئے اس منظر کا کہ دونوں جہان کے سردار اور خیر البشر ﷺ برہنہ تن بغیر کسی بستر کے کھجور کی چٹائی پر چمڑے کا تکیہ لے کر آرام فرماتے ہیں جس سے جسم اقدس پر کھجور کی چٹائی کے نشانات بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر عمر فاروقؓ اور دوسرے محبان رسول قیصرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسریٰ کی وسعت مال کا ذکر کرتے ہوئے فراخی کے لیے دعا کی درخواست کرتے ہیں اور آپؐ اس دعا کی درخواست کو بھی ناپسند فرماتے ہوئے دنیوی معیار زندگی کو حسب ذیل الفاظ میں قطعاً پس پشت ڈال دیتے ہیں:-

''اما ترضی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاخرۃ'' (۲۰)

کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان لوگوں کے لیے فقط دنیا (کا معیار زندگی) ہو اور ہمارے لیے (بلند معیار انسانیت کے باعث) آخرت کے انعامات۔

گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دنیوی معیار زندگی اور سامان آسائش کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں۔ آپ کے مدنظر فقط ایسے انسانوں کی تعمیر تھی جو انسانیت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہوں اور اس بنا پر اخروی ابدی انعامات کے مستحق قرار پائیں۔ انتخاب طعام اور اہتمام طعام میں بھی آپؐ کا طرز عمل ''معیار زندگی'' کے منافی تھا۔ اچھا کھانا اور اس کے لیے اہتمام و تکلف تو درکنار، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پیٹ بھر کا کھانا بھی آپؐ کے معمولات میں نہیں تھا۔ (۲۱) اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی آپؐ نے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ (۲۲) یہ تو آپؐ کے معیاری طعام کا تذکرہ ہے۔ وگرنہ عام حالات میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر بھوک اور تکالیف برداشت کرتے رہے اس کا اندازہ آپؐ کے اس فرمان سے ہوتا ہے:-

''ولقد اتت علی ثلثون من بین لیلۃ و یوم ومالی ولبلال طعام یأکلہ ذو کبد الا شیئی یواریہ ابط بلال'' (۲۳)

تیس دن رات مجھ پر ایسے گزرے کہ میرے اور بلالؓ کے لیے کوئی ایسی چیز کھانے کو نہ تھی جسے جاندار کھاتے ہوں مگر وہ چیز، جسے بلالؓ اپنی بغل میں چھپا لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز حیات اور معاشی حالت سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ آپ کو شاید وسائل میسر نہ تھے اس لیے آپ کو ایسی زندگی گزارنا پڑی۔ ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح کا طرز زندگی آپؐ کے حسب خواہش تھا۔ اس لیے کہ کائنات انسانی کے سامنے ایک نمونہ اور ماڈل پیش کرنا مقصود تھا کہ ان وسائل حیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کوئی اہمیت نہیں۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کے مقام ومرتبہ کے مطابق یہ پیشکش بھی ہوئی کہ آپ کے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے لیکن آپؐ نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جو اسلامی تصور حریت کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کرتا ہے کہ اگر مال و وسائل میں ہر طرح سے آزادی وفراخی میسر ہوگی تو انسان اپنے وظیفہ انسانیت سے منحرف ہو جائے گا۔ اس کی حریت اصلیہ کا راز چونکہ خالق کائنات سے عاجزی وانکساری کے تعلق میں مضمر ہے لہذا رحمت عالمؐ نے دنیوی معیار زندگی کے اعتبار سے اتنی بڑی پیشکش کے جواب میں فرمایا:-

''لا یارب ولکن اشبع یوما واجوع یوما فاذا جعت تضرعت الیک وذکرتک واذاشبعت حمدتک وشکرتک''(۲۴)

یعنی اے میرے رب مجھے (معیار زندگی بلند کرنے کا یہ سامان) نہیں چاہیے بلکہ (میں تو چاہتا ہوں کہ) ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا ہوں تو تیرے سامنے عاجزی کروں اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہو کر کھاؤں تو تیری تعریف کروں اور تیرا شکر بجالاؤں۔

گویا یہ سارا طرز عمل اس لیے تھا کہ خالق ومخلوق کا رشتہ کما حقہ برقرار رہے اور انسان اپنی حدود حریت کے اندر رہتے ہوئے انسانیت کے ''معیار'' کو محفوظ رکھ سکے۔ نبی اکرم ﷺ اگر ''معیار زندگی'' کو مقصد بناتے اور آپؐ کی نظر میں دینوی مال ومتاع اور سماجی حیثیت (Social Status) کی اہمیت ہوتی تو یقیناً آپؐ شاہانہ طرز زندگی اختیار کرتے اور مادی ترقی اور شاہانہ کروفر میں ایسا معیار قائم کرتے کہ دنیا مثال پیش کرنے سے قاصر رہتی۔ پھر آپؐ اپنے پیروکاروں کا معیار زندگی بھی بہتر بنانے کے لیے فکر اور جدوجہد کرتے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و سیادت کے ساتھ ساتھ ایسی بادشاہت پیش بھی کی گئی۔ لیکن آپؐ کے پیش نظر انسان کو فلاح کی منزل تک پہنچانے کے لیے انسانیت کا ایک ''خاص معیار'' تھا۔ لہذا آپؐ نے اختیاری طور پر بادشاہانہ طرز زندگی کی بجائے انتہائی ادنی (غلاموں کا سا) طرز زندگی پسند فرمایا اور دنیوی طور پر محروم طبقہ (Neglected Class) میں شمار ہونے والوں کو بھی اعلیٰ معیار انسانیت پر فائز کرنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال اور نمونہ پیش کیا۔ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مخاطب ہو کر اپنے مجموعی طرز زندگی کے بارے میں حسب ذیل وضاحت فرمائی۔ جس سے اندازہ ہوتا کہ معاشی و دنیوی ترقی و پسماندگی کا ''خیرالبشر'' کے قائم کردہ ''معیار بشریت'' کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے:۔

''یا عائشة لو شئت لسارت معی جبال الذهب جاء نی ملک وان حجزته تساوی الکعبة فقال ان ربک یقرا علیک السلام و یقول ان شئت نبیا عبدا و ان شئت نبیا ملکا فنظرت الی جبرائیلؑ فاشار الی ان ضع نفسک وفی روایة ابن عباس فالتفت رسول الله ﷺ الی جبرئیل کا لمتشیرله فاشار جبرئیل بیده ان تواضع فقلت نبیا عبدا''(۲۵)

اے عائشہؓ ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ کے برابر تھی۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تو چاہے تو نبی بادشاہ بن جائے اور اگر تو چاہے تو نبی غلام بن جائے۔ پھر میں نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا تو اس نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نیچا رکھو، ایک روایت ابن عباسؓ میں ہے کہ آپؐ نے جبرئیل کی طرف مشورہ مانگنے کی غرض سے دیکھا تو اس نے ہاتھ کے اشارہ سے پست رہنے کے لیے کہا، تو نے (فرشتے کو) کہا کہ نبی غلام (بننا چاہتا ہوں)۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے:۔

'' اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا و احشرلی فی زمرة المساکین''(۲۶)

اے اللہ ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھنا اور مسکین ہو فوت کرنا اور میرا حشر بھی مساکین کے گروہ میں کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول کریم ﷺ نے ایسے طرز زندگی کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ عیش وتنعم کی زندگی کی بجائے فقر میں انسان اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اور انسانیت کا اعلیٰ معیار قائم کرنے میں معیار زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔اگر انسان اپنے رب سے غلامی اور عبدیت کا تعلق رکھے اور اس کی طرف سے اوامر ونواہی کو اپنی حریت کی حدود تصور کرتے ہوئے ان سے تجاوز نہ کرے اور خلافت ارضی کا ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے نیابت الٰہی کے مقام پر فائز ہو جائے تو گویا اس نے ''معیار انسانیت'' کو پالیا۔پھر اس کا سماجی مقام ومرتبہ اور دنیوی مال ومتاع کی موجودگی وعدم موجودگی بے معنی ہو جاتی ہے۔دنیاوی اعتبار سے انتہائی ادنیٰ طبقے (Third Class) کے لوگ انسانیت کے اس اعلیٰ معیار تک پہنچ سکتے ہیں کہ مادی طور پر ترقی یافتہ اور خوشحال طبقہ اپنی ٹیکنالوجی اور خوشحالی کو بروئے کار لا کر اس مقام کی ہوا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:-

''رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ''(۲۷)

بہت سارے پراگندہ حال اور دھتکارے ہوئے (Neglected) لوگ (انسانیت کے اس معیار پر ہیں کہ) اگر اللہ پر قسم ڈال دیں تو اللہ اس کو ضرور پورا کرے۔

انسانیت کے اعلیٰ معیار پر پہنچنا صرف غرباء کا حق نہیں، امراء بھی اس مقام کو عمل صالح اور عبدیت اللہ کی روش سے حاصل کر سکتے ہیں۔مراعات یافتہ طبقے سے محروم طبقے کی یہ فضیلت اور موازنہ عمومی نوعیت کا ہے۔اگر دونوں خاص صورت حال میں یکساں ایمانی کیفیت رکھنے والے بھی ہوں تو بھی تنگدستی کی زندگی گزارنے والوں کے لیے فوقیت اور ازالہ (Compensation) یہ ہے کہ غرباء و فقراء، اہل ثروت سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔(۲۸)

اہل ثروت یعنی دنیوی طور پر اعلیٰ معیار پر فائز لوگوں اور محروم الدنیا کے درمیان ''معیار انسانیت'' کی بنا پر فرق، درج ذیل فرمان نبوی ﷺ میں ملاحظہ فرمائیے:-

''عن سھل بن سعد الساعدی انہ قال مر رجل علی رسول اللّٰہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ فقال لرجل عنده جالس ما رأیک فی ھذا فقال رجل من اشراف الناس ھذا واللّٰہ حری ان خطب ان ینکح وان شفع ان یشفع قال فسکت رسول اللہ ﷺ ثم مر رجل فقال لہ رسول اللّٰہؐ ما رأیک فی ھذا فقال یا رسول اللہ ھذا رجل من فقراء المسلمین ھذا حری ان خطب ان لاینکح وان شفع ان لا یشفع وان قال ان لا یسمع لقولہ فقال رسول اللہؐ ھذا خیر من ملء الارض من مثل ھذا'' (۲۹)

سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہؐ کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ شخص بڑے لوگوں میں سے ہے۔ اگر یہ کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو اللہ کی قسم مناسب ہے کہ اس کے ساتھ نکاح کر دیا جائے۔ اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے۔ آپؐ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص گزرا۔ آپؐ نے فرمایا اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس شخص نے عرض کیا یہ شخص مسلمان فقراء میں سے

ہے۔ یہ اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام بھیجے تو نکاح نہ کیا جائے اور سفارش کرے تو سفارش نہ مانی جائے اور اگر کچھ کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ تو رسول اللہؐ نے فرمایا اُس (پہلے شخص) جیسے زمین بھر آدمیوں سے یہ آدمی بہتر ہے۔

اس حدیث میں دو متضاد سماجی مقام و مرتبہ کے حامل افراد کا تذکرہ ہے۔ ایک شخص اعلیٰ دنیوی معیار کا حامل ہے جب کہ دوسرا ''مدفوع بالابواب'' ہے یعنی ادنیٰ ترین سماجی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن انسانیت کا اصل معیار چونکہ ظاہری مقام و مرتبہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لہذا آپؐ نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے معیار انسانیت اور معیار زندگی میں فرق اور بعد واضح ہو جائے۔ آپؐ فقط اتنا بھی فرما سکتے تھے کہ یہ شخص، اس شخص سے بہتر ہے۔ مگر اس طرح کے فرمان سے معیار انسانیت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حامل فرد کے حقیقی مقام و مرتبہ کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا آپؐ نے جامعیت کے ساتھ پوری وضاحت فرمادی کہ معیار زندگی رکھنے والے لوگوں سے زمین بھی بھری ہوئی ہو تو ان سب سے ''انسانیت'' کے اصل معیار کا ایک ہی آدمی بہتر ہے، چاہے دنیوی لحاظ سے وہ انتہائی دھتکارا ہوا اور محروم المرتبت ہو۔

اسلامی ضابطۂ زندگی اور اس کے تمام تصورات کا مقصود معیار انسانیت ہے۔ وہ میعار انسانیت جو دنیا میں انسان کو اللہ کا نائب، اور آخرت میں اللہ کا مقرب اور اس کے انعامات کا مستحق بنادے۔ ایسے معیار کے حصول کے لیے اسلامی تصور حریت مخصوص نظام زندگی کا عکاس ہے۔ جس کا انفرادی و اجتماعی طور پر نفاذ یقینی طور پر مثبت نتائج پر منتج ہوتا ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ جب اس دنیا میں خالق کائنات کا پسندیدہ اور معیاری نظام حیات لیکر تشریف لائے تھے تو آپؐ کو ایک مادر پدر ''آزاد'' معاشرے کا سامنا تھا۔ جہاں پر کوئی معاشی، معاشرتی، سیاسی، قانونی اور سماجی پابندی نہ تھی۔ وہاں پر بڑے بڑے سماجی مرتبہ (Social Status) کے حامل افراد موجود تھے۔ بڑے بڑے سرداران قبائل بھی تھے اور امراء و خوشحال افرادِ معاشرہ کے علاوہ بادشاہانِ وقت بھی تھے۔ لیکن ان سب میں شاید ایک بھی ''معیاری'' انسان نہ تھا۔ ان غیر مہذب، گنوار، اجڈ اور وحشی جنگلیوں کو انسانیت کے اصل معیار کے مطابق بنانے کا فرض عظیم آنحضورؐ نے محض چند ہی سالوں میں پورا کر کے دکھا دیا۔ جب خالق کی طرف سے دیے گئے ضابطہ انسانیت کا نفاذ عمل میں لایا گیا تو کوئی بھی انسان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ صرف وہ رہ گئے جن پر انسان کی تعریف ہی صادق نہ آتی تھی اور قرآن کے مطابق وہ حیوانیت کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔ (۳۰) اس ضابطۂ حیات نے معاشرے کے دھتکارے ہوئے انسانوں کو بھی رفعت و عظمت کے اس مقام تک پہنچا دیا، جس کا قبل ازیں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

غلامی کی زندگی بسر کرنے والے بلالؓ بن رباح کو لیجیے جو تاریخ میں بلال حبشی کے نام سے مشہور ہیں۔ بظاہر سماجی حیثیت یہ ہے کہ حبشی غلام ہیں اور مردان حر کی سی کوئی بھی سہولت اور حق حاصل نہیں۔ عقیدہ اسلامی قبول کر لینے کی پاداش میں اپنے مالک کی طرف سے شدید اذیتوں میں مبتلا کیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں۔ پھر اس ظالم آقا سے آزاد ہونے کے بعد بھی طرز زندگی میں دنیوی اعتبار سے کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن تعلیمات اسلامی کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لینے اور حریت حقیقی (یعنی عبدیت الٰہ) کی حدود میں رہنے کا ثمرہ ہے کہ دنیا میں کوئی خاص سماجی حیثیت نہ ہونے کے باوجود حبشی غلام، بلالؓ بن رباح، سیدنا بلالؓ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلالؓ کے مقام رفیع کا عالم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:۔

"سمعت دف نعليک بين يدی الجنة"، (۳۱)

اے بلالؓ میں تیرے قدموں کی چاپ جنت کے اندر سنتا ہوں

بلکہ ایک روایت میں بلالؓ کی اپنے اوپر سبقت تک کا تذکرہ بھی فرمایا:۔

"يا بلال لم سبقتنی الی الجنة مادخلت الجنة قط الا سمعت خشخشتک امامی" (۳۲)

اے بلالؓ! جنت کی طرف تیری سبقت کی کیا وجہ ہے کہ جب بھی میں جنت میں داخل ہوا تیرے قدموں کی آواز میں نے اپنے آگے سنی۔

یہ معیار انسانیت کا اسلامی اور حقیقی تصور ہے۔ جس کا حصول بجز اسلامی نظام حیات کے، انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس نظام زندگی سے ہٹ کر انسان جتنی مرضی جدوجہد کر لے، وہ سائنسی، تکنیکی اور مادی و معاشی میدان میں تو ترقی کر سکتا ہے لیکن اس ترقی کی بدولت انسانیت کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ اور اگر نظام اسلامی کے مطابق اپنے آپ کو خالق حقیقی کی مرضی کے تابع کر لے اور اپنے اعمال کو اسی کی رضا مندی کے مطابق بنا لے تو اس کا مقام فرشتوں سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

جعفرؓ بن ابی طالب نے خالق حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے حصول اور دین اسلام کی سربلندی کی خاطر جنگ موتہ میں جام شہادت نوش کیا، جو کہ عبدیت الٰہ کے اظہار کی آخری اور انتہائی منزل ہے۔ تو اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

"رأيت جعفر يطير فی الجنة مع الملائكة" (۳۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے جعفرؓ (کی روح) کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

انسانیت و عبدیت کا یہ مقام رفعت و عظمت اسلامی تصور حیات کی بدولت ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ وگرنہ دنیا کے جملہ نظام ہائے حیات میں حقوق انسانی کے بلند بانگ دعووں کے باوجود عدل و انصاف اور معاشرہ میں مناسب مقام آدمیت کا حصول بھی معاشی و سماجی طور پر کمتر لوگوں" کے لیے ممکن نہیں۔ دنیا کے سارے نظام اور معاشرے بڑی بڑی ایجادات، ترقیوں اور عروج کے باوجود انسان کو اس کا اصل مقام دلانا تو درکنار، اس کے حقیقی مفہوم سے بھی نا آشنا ہیں۔ ایک مشہور مسلمان دانشور افضل الرحمان تصور توحید پر مبنی اسلام کے اچھوتے تصور حریت کی اہمیت و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

''آدمی بذات خود حقوق کی اس جنگ میں کوئی توازن پیدا کرنے میں سراسر ناکام رہا ہے۔ اس نے بارہا کوشش کی ہے لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ اس کی اپنی قوت و طاقت سے باہر کا کام ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس نے سائنسی ایجادات، خلائی ٹیکنالوجی، انتظامی امور، حتیٰ کہ سیاسی نظاموں میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ لیکن انسانی حقوق کے میدان میں حقوق کے منصفانہ، عادلانہ اور غیر جانب دارانہ بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے نہ صرف متفرق عناصر کی فطرت و طبیعت کا وسیع علم درکار ہے، بلکہ زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزادی بھی مطلوب ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جسے کوئی فرد بھی، چاہے کتنا ہی قابل ہو، یا کوئی گروہ، جو سماجی، لسانی یا سیاسی لحاظ سے یا تہذیب تمدن میں کتنا ہی آگے ہو، اس کو حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ نہ ہی وہ اس قابل ہوئے ہیں کہ معاشرے کے مختلف اعضاء کے حقوق کا تعین کر کے انتشار، ٹکراؤ اور جنگ کی کیفیات ختم کی جا سکیں۔...... صرف الہامی ہدایت جس کی بنیاد عقیدہ توحید ہے، اس مسئلے کا مستقل اور پائیدار حل پیش کرتی ہے''۔ (۳۴)

اسلامی تصور حریت اور انسانی مقام رفعت کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ ''اسلام نے افراد کو وہ ماحول و فضا مہیا کی ہے جس میں وہ آزادانہ حق آزادی استعمال کر سکتے ہیں اور (انسانیت کے حصول اور) انسانی بھلائی کے لیے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اسلام نے آزادی ارادہ و عمل اس لئے عطا کی ہے تاکہ نہ صرف وہ اپنے معاملات کو بطریق احسن سمجھ سکیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراپنے متفرق النوع اداروں کو چلا سکیں بلکہ اپنی شخصیت (خودی) کی تعمیر بھی (اس نہج پر) کر سکیں کہ بلندیوں تک پہنچ کر نفس کل سے جاملیں ۔ مادی اور روحانی دنیا میں یہ طرز عمل فرد کے نچلے درجہ شعور (دنیاوی زندگی) سے اعلیٰ درجہ شعور (اخروی زندگی) تک منتقلی کرتا ہے اور جو لوگ اس درجہ شعور تک پہنچ چکے ہوں گے، انہیں موت کے وقت بمشکل کوئی تبدیلی محسوس ہو گی ۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسا کہ خلا بازوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ جب وہ خلاء سے زمین پر واپس آتے ہیں تو انہیں مشاہدہ کے لیے چند روز تک عام دنیا سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ لیکن بعدازاں انہیں عام ملنے جلنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ وہ کچھ تبدیلی محسوس کریں گے لیکن پھر اس پر قابو پالیں گے اور بالکل معتدل ہو جائیں گے۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کے طلبگار رہوں گے تا کہ ان کی زندگی ان کے لیے آسان تر ہو جائے"۔ (۳۵)

قرآن انسانیت کے اس مقام علو وعروج اور عظمت و رفعت کی حالت کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:-

> یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین امنوا معہ نور ھم یسعی بین اید یھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا و اغفرلنا انک علی کل شیئی قدیر (۳۶)
>
> یہ وہ دن ہو گا جب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور اس کے ساتھی مومنین کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تعمیر انسانیت کے ذریعے انسان کو اس کے اصل معیار و مقام تک پہنچانے کے لیے اسلام فرد کی جوابدہی اور عبدیت الٰہ کا تصور دیتا ہے۔ یہی اسلام کا تصور حریت ہے۔ گویا اسلام کی نظر میں تصور حریت اور تصور جوابدہی متوازی تصورات ہیں ۔ اور یہ ایک ایسا تصور ہے جو عروج انسانیت کی طرف فرد کو شعوری کوشش اور جدوجہد پر مجبور کرتا ہے ۔ اور اس شعوری جدوجہد کے لیے جس آزادئ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادہ وعمل کی ضرورت ہے، وہ بھی اسلام کی طرف سے فرد کو عطا ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں فرد کے لیے انسانیت کی اصل منزل کا حصول ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔

والذین جاھداوا فینا لنھد ینھم سبلنا (۳۷)

اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں ہم ان کی اس راہ میں درست رہنمائی کرتے ہیں۔

انسانی ارادہ وعمل اور اس جہد مسلسل کا جو شعور اسلام نے انسان کو عطا کیا ہے۔ وہ فقط اخروی سعادت اور مافوق الدنیا انعامات کا مستحق بنانے کے لیے ہی انسانی معیار کو بلند نہیں کرتا۔ بلکہ جب انسان اصل معیار انسانیت پر پہنچنے کی خاطر شعوری جدوجہد کا آغاز اعمال صالحہ سے کرتا ہے۔ تو یہ باسعادت سفر اس کی دنیوی زندگی کا معیار بھی بلند کر دیتا ہے۔

من عمل صالحا من ذکر او انثی و ھو مومن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ
و لنجز ینھم اجر ھم باحسن ما کانوا یعملون (۳۸)

جو بھی (ایمان کی حالت میں) صالح اعمال کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہم اس کی زندگی (کا معیار بلند کر کے اس) کو پاکیزہ زندگی بنا دیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کے اعمال سے زیادہ بہتر بدلہ عطا کریں گے۔

اس طرح ''معیار انسانیت'' اور ''معیار زندگی'' میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ معیار زندگی انسانیت کے اصل معیار کے حصول کی کوشش میں عطا ہوتا ہے۔ اور یہ معیارِ زندگی کا، دنیوی کی بجائے الہامی تصور ہے۔ ان دونوں تصورات میں بنیادی طور پر فرق یہ ہے کہ ایک، حصولِ معیارِ انسانیت کی کوشش کے بدلے میں خالق کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور دوسرا، دنیوی مال ومتاع کے ذریعے، دنیوی معیارات کے مطابق خود، بلند کرنے کی کوشس کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان اخروی وابدی مقام انسانیت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے:۔

'' و من الناس من یقول ربنا اتنا فی الدنیا وما لہ فی الاخرۃ من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاق"۔(۳۹)

اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں
(دنیوی معیار زندگی میں بلندی) عطا کر۔ اور آخرت (کے اصل مقام
انسانیت) میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

انسانیت کے اصل معیار کے حصول کی شعوری کوشش کے سبب انسان کو دنیوی حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ اخروی انعامات کا مستحق بنانے کے لیے روحانیت سے معمور ایسا قلب انسانی عطا ہوتا ہے، جو ہر قسم کی کجی اور ٹیڑھ سے مبرا اور سلیم الفطرت ہو۔ یہ وہ معیار انسانیت ہے جس پر ہر انسان کی فطری طور پر تخلیق کی جاتی ہے۔ (۴۰) دنیوی آلائشوں اور دنیوی معیارات کو مطمع نظر بنا لینے سے اس معیار (فطرت سلیمہ) کے تباہ و برباد ہونے کا امکان بھی ساتھ ہی تخلیق کر دیا گیا تھا۔ مقصود انسانیت یہ ہے کہ دنیوی معیارات کو پس پشت ڈال کر، اپنی فطرت سلیمہ کو انحراف سے بچاتے ہوئے، قلب سلیم کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے سامنے پیش ہو جائے۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم (۴۱)

جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ ہی اولاد۔ مگر صرف وہ (کامیاب ہوگا) جو اللہ
تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔

اسلامی تصور حریت انسان کو انحراف (Deviation) سے بچا کر فطرت سلیمہ پر قائم رکھنے کے لیے ایک میدان عمل فراہم کرتا ہے۔ فقط یہی میدان عمل ہی انسان کی حقیقی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے اور اس کی حدود سے تجاوز، انسانیت کے لیے ہلاکت و خسران کا موجب ہے۔

و من یعص اللہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا فلہ
عذاب مھین (۴۲)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے (قوانین و ضوابط کے) حدود سے تجاوز کرے۔ اس دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور ایسے شخص کے لیے بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

(۱) القرآن الحکیم، (الحج) ۲۲: ۷۳

(۲) ابوالحسن علی ندوی، تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۔۲۳

(۳) القرآن الحکیم، (الانبیاء) ۲۱: ۲۲

(۴) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ص ۲۴

(۵) Encyclopaedia of Seerah, Vol. vi, pp 92-93

(۶) اساسیات اسلام، ص ۲۵

(۷) سیرت النبیؐ، ج ۴، ص ۵۲۳

Panikkar, K.M., A survey of Indian history, Bombay, 1956 (۸), P 132.

(۹) القرآن الحکیم، (الحجرات) ۴۹: ۱۳

(۱۰) Toyn Bee, A.J., Civilisation on trial, New Yark, 1948, P 205.

(۱۱) Gibb, H.A.R. Whither Islam, London, 1932, P 379

(۱۲) اسلام کا نظام تربیت، ص ۱۵۔۱۶

(۱۳) انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص ۹۔۱۰

(۱۴) Syed Hussein Nasr, Islam and the plight of modern man, Sohail academy Lhr., 1994, pp 147-148

(۱۵) کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۲۳

(۱۶) ''ولا تنس نصیبک من الدنیا''، (القصص، ۲۸: ۷۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۷) "......قل اؤنبئکم بخیر من ذالکم ......"،(آل عمران،۳:۱۴۔۱۵)

(۱۸) Islam and the plight of modern man, p 47

(۱۹) "ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم"،(الحجرات،۴۹:۱۳)

(۲۰) البخاری، کتاب المغازی، باب تبتغی مرضات ازواجک، ج۴،ص۱۸۶۸

(۲۱) ایضاً، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ج۵،ص۲۳۷۰

(۲۲) محولہ بالا

(۲۳) ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، ج۲،ص۳۰۱

(۲۴) مسند احمد، ج۵،ص۳۵۴

(۲۵) بغوی، الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، المکتب الاسلامی بیروت،۱۴۰۳ھ، ج۱۳،ص۲۴۸

(۲۶) ترمذی، ابواب الزہد، باب فضل الفقر، ج۲،ص۲۷۵

(۲۷) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الضعفاء، ج۴،ص۲۰۲۴

(۲۸) ترمذی، ابواب الزہد، باب فضل الفقر، ج۲، ص۲۷۵

(۲۹) البخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ج۴، جزء۷،ص۱۷۸

(۳۰) "اولئک کالانعام بل ھم اضل"،(الاعراف،۷:۱۷۹)

(۳۱) البخاری، کتاب التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار، ج۱، جزء۲،ص۴۸

(۳۲) ابن الاثیر، ابوالحسن علی الجزری، اسد الغابۃ، المکتبۃ الاسلامیۃ طہران،۱۳۴۲ھ، ج۱،ص۲۰۸

(۳۳) ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب جعفرؓ بن ابی طالب

(۳۴) فضل الرحمٰن، شخصی آزادی (مترجم محمد ایوب منیر)، فیروزسنز لمیٹڈ لاہور،۱۹۹۳ء،
ص۱۷۷

(۳۵) شخصی آزادی، ص ۱۸۵

(۳۶) القرآن الحکیم، (التحریم)۶۶:۸

(۳۷) ایضاً، (العنکبوت) ۲۹:۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳۸) ایضاً،(النحل) ۱۶: ۹۷

(۳۹) القرآن الحکیم،(البقرہ)۲: ۲۰۰

(۴۰) ''کل مولود یولد علی الفطرۃ''، (البخاری،کتاب الایمان)

(۴۱) القرآن الحکیم،(الشعراء) ۲۶: ۸۸-۸۹

(۴۲)ایضاً، (النساء)۴: ۱۴

****

© rasailojaraid.com